"الذمۃ علی الانسان فقط" کا اصول: اصولیین کے مباحث کا مطالعہ

A Study of the Discourses of Jurists about the Rule: "*Al-Dhimmah* is on the Human Being Only"

Hafiz Usman Ghani

Lecturer, Department of Islamic Studies,

The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalnagar Campus:

usman.ghani@iub.edu.pk

Dr. Hafiz Usman Ahmad

Assistant Professor, Institute of Islamic Studies

University of the Punjab, Lahore

usmanahmad.is@pu.edu.pk

Abstract:

In the prevailing economic and social system, the fictitious personality took a central position. In it, some individual or the substance of their capital is considered a permanent figure except their individual personalities. Then this fictitious person is recognized as having all the attributes of assigning rights, duties and responsibilities, which are characteristic of a real human being. Many questions arise as a result of giving legal and Shari'ah justification to an assumed personality like a real human being, these questions are important from a number of perspectives, including a very important and sensitive religious perspective. One of the most important questions is that in the eyes of the Shari'ah, only a real person can be obligated and responsible, so how can a fictitious and invisible person become an addressee of the Shari'ah and be characterized with the attribute of al-dhimmah? Present study explores the principle of Al-Dhimmah in the light of discourses of jurists. This is an analytical study and data is gathered from books, articles and online sources. Responsibility is the attribute in a human being due to which he becomes wanted and responsible in worldly and hereafter matters. There are two basic opinions about the nature of al-Dhimma, one is that al-Dhimma is a fictitious condition; while the second opinion is that al-Dhimma is a real entity that refers to the soul of a person. The second opinion completely negates the fictitious human being.

Keywords: A-dhimmah, Legal personality, fictitious personality, Waqf, Shari'ah, Islamic Jurisprudence, Jurists.

موضوع کا تعارف:

احکام شریعت کا دارومدار ایک انسان کے ذمہ دار ہونے پر ہے، جس کو اصطلاح میں ا''لذمۃ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے عصر حاضر میں بے شمار معاشی و سماجی معاملات میں شخصیت اعتباری کا تصور کار فرما ہوتا جہاں ایک فرضی اور غیر مرئی شخص کو حقیقی شخص کا درجہ دے کر اس میں حقیقی انسان کے دیگر اوصاف کے ساتھ ساتھ الذمہ کا وصف بھی تسلیم کیا جاتا ہے، لہذا ضروری ہے کہ فقہ کی اس اصطلاح کی توضیح و تنقیح اور تجزیہ کر کے یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ الذمہ کے وصف کے کیا لوازمات و متعلقات ہیں اور یہ لوازمات و متعلقات ایک فرضی شخص میں کس حد تک پائے جاسکتے ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ الذمہ کی اصطلاح فقہاء اور اہل قانون، دونوں کے ہاں ہی مستعمل ہے لیکن کچھ بنیادی فروق کے ساتھ جبکہ ہماری بحث فقہاء کے نقطۂ نظر کے حوالے سے ہی ہے۔

الذمہ کا نظریہ اور اس کی خصوصیات فقہاء کی نظر میں

الذمۃ کی لغوی تحقیق

الذمۃ والذمام بمعنی ''عہد'' ہے، اور عہد کو ذمہ سے اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ عہد توڑنے والا مذمت کا مستحق ہوتا ہے[1]۔ آیت مبارکہ میں بھی ''الذمۃ'' بمعنی ''عہد'' استعمال ہوا ہے، کما فی قولہ تعالی:

كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَى قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ[2]

''(لیکن ان مشرکین کے ساتھ) کیسے معاہدہ پر قرار رہ سکتا ہے جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی تم پر غالب آجائیں تو تمہارے معاملے میں نہ کسی رشتہ داری کا خیال کریں اور نہ کسی معاہدے کا؟ یہ تمہیں اپنی زبانی باتوں سے راضی کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے دل انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔''

آیت مبارکہ میں اِلّا بمعنی رشتہ داری اور ذمۃ بمعنی عہد ہے۔ اسی طرح حدیث مبارکہ میں ہے:

---

[1] :الخفیف علی، الحق والذمۃ وتاثیر الموت فیھما وبحوث أخری، (دارالفکر العربی، قاہرہ، ۱۴۳۱ھ)، ۲۰۱۰ء، ص:۱۰۸

Al-Khafîf, Ali, Al-Haqu ѡr l-dhimmah ѡr tathīrulmawt fīhimā buhūthun ukhrā, Dārulfikr Al-Arbi, Qāhirā, 1431 AH, 2010 AC, p.108

[2] :التوبہ:۸

Al-Tawbah:8

فأرادوك أن تجعل لهم ذمة الله وذمة نبيك، فلا تجعل لهم ذمة الله ولا ذمة نبيك، ولكن اجعل لهم ذمتك وذمة أبيك وذمة أصحابك، فإنكم إن تخفروا ذمتكم وذمة آبائكم أهون عليكم من أن تخفروا ذمة الله وذمة رسوله[3]

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں لفظِ ذمہ اس طرح استعمال ہوا ہے؛

المسلمون تتكافأ دماؤهم: يسعى بذمتهم أدناهم[4]

یعنی جب مسلمانوں میں سے کوئی ایک شخص کسی دشمن سے امان کا عہد کرلے تو یہ عہد تمام مسلمانوں میں سرایت کر جاتا ہے اور اس کی پاسداری سب پر لازم ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح ہمارے ملک میں اگر کوئی اہل کتاب معاہدے کے ساتھ رہ رہا ہو تو اس کو اہل ذمہ (یا ذمی) یعنی معاہدے والا کہتے ہیں۔

پھر ایک انسان اپنے ذمہ اور عہد کی وجہ سے ہی مطلوب ہوتا ہے کہ اس سے اس عہد اور ذمہ کو پورا کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، لہذا وجوب والتزام کا مدار ومنشأ عہد یا ذمہ ہے، کیونکہ یہ صاحب حق کیلئے جو کہ مطالِب وجوب کا مدار ہے اور جس پر کوئی حق ہو جو کہ مطالَب ہے، اس کے لئے التزام کا مدار ہے۔ پس اس طرح ذمہ محلِ طلب ہے، جہاں ذمہ یا عہد پایا جائے گی وہیں مطالبہ پایا جائیگا۔ اس طرح بے شمار حقوق اور واجبات مالیہ کا دارومدار اسی ذمہ پر ہوتا ہے اور یہی وہ بنیاد ہے کہ جس کی بناء پر فقہاء ذمہ کو ایک اصطلاح کے طور ایک خاص معنی میں استعمال کرتے ہیں[5]۔

الذمۃ کی اصطلاحی تعریف:

اصولیین کے درمیان الذمہ کے فقہی واصطلاحی تصور کے حوالے دو نظریات زیادہ معروف ہیں، پہلا نظریہ یہ ہے کہ الذمہ، انسان میں تسلیم کیا گیا ایک فرضی وصف ہے یا بالفاظ دیگر الذمہ انسان پر لازم ہونے والے

---

[3] :ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی (م۲۷۳ھ) السنن، (دارالرسالہ، دمشق، طبع اول ۱۴۳۰ھ، ۲۰۰۹ء) حدیث نمبر:۲۸۵۸،

Ibnu Mājah, Abū Abdullāh Muhammad bin Yzīd Qazwīnī (273 AH) Al-Sunan, Hadith No.2858, Daru l-risālah, Dimashq, 1st addition, 1430 AH, 2009 AC.

[4] :ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، (م۲۷۵ھ) سنن، (المکتبہ العصریہ، صیدا، بیروت) حدیث نمبر:۲۷۵۱۔

Abū Dawūd, Sulayman bin Ash'th(275 AH), Sunan, Hadith No.2751, Al-Maktabah Al-Asriyah, Sayda, Bayrūt.

[5] :الخفیف، الحق والذمۃ وتاثیر الموت فیھما وبحوث أخری، ص:۱۰۸۔

Al-Khafīf, Ali, Al-Haqu wl-dhimmah wtathīrulmawt fīhimā buhūthun ukhrā, p.108

دیون کیلئے ایک فرضی ظرف ہے[6]، جبکہ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ الذمہ فرضی کی بجائے ایک مادی حقیقت ہے، جس سے مراد نفسِ انسان ہے۔ اول الذکر رائے صدرالشریعہ مسعود تفتازانی اور شیخ منصور حنبلی اوران کے متبعین کی ہے ، جبکہ ثانی الذکر رائے فخر الاسلام علامہ بزدوی اور ان کی متبعین کی ہے۔ اب ہم اس اختصار کو تفصیلا بیان کریں گے۔

الذمہ کے بارے میں پہلی رائے:

صدرالشریعہ عبید اللہ بن مسعود تفتازانی اپنی کتاب التنقیح میں الذمہ کی تعریف یوں لکھتے ہیں؛

بأنهاوصف شرعي يصير به الإنسان أهلا لماله وماعليه ،اى من الحقوق والتكاليف المشروعة۔[7]

"الذمہ ایک ایساوصف شرعی ہے جس کی وجہ سے ایک انسان اپنے مالہ وماعلیہا یعنی اپنے حقوق اور تکالیفِ شرعیہ کا اہل بنتا ہے۔" شیخ منصور حنبلی کشاف القناع میں الذمہ تعریف لکھتے ہیں؛

وهي وصف يصير به المكلف أهلا للإلزام والإلتزام[8]

الذمہ ایک وصف ہے جس کے ذریعے ایک مکلف شخص الزام والتزام یعنی اپنے حقوق وواجبات کا اہل بنتا ہے۔

اسی طرح احمد بن محمد الحموی حاشیہ الاشباہ والنظائر میں لکھتے ہیں؛

بأنها أمر شرعى قدر وجوده فى الإنسان يقبل الإلزام وإلتزام[9]

الذمہ انسان میں فرض کیا گیا ایک صف ہے جو کہ الزام والتزام کا محل ہے۔

استاذ الزرقا اس کی توضیح اس طرح کرتے ہیں؛

---

[6] : مصطفی الزرقا، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، (دارالقلم، دمشق، طبع ثانی ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴ء)، ۲ / ۱۹۳

A'lzarqā, Mustafā, Al-Fiqh-ul-Islāmī fī Thawbihiljadīd, Dārulqalam, Dimashq, 2nd edition 1425 AH, 2004 AC, P. 193/2.

[7]: الخفیف، الحق والذمۃ وتاثیر الموت فیھما وبحوث أخری، ص:۱۰۹۔

Al-Khafīf, Ali, Al-Haqu w l-dhimmah w tathīrulmawt fīhimā buhūthun ukhrā, p.109

[8] : منصور بن یونس بن صلاح الدین بہوتی حنبلی (م ۱۰۵۱ھ)، کشاف القناع عن متن الاقناع، (دارعالم الکتب، ریاض، طبعۂ خاص ، ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۳ء)، ص:۱۵۱۸ ۔

Bahūtī,Mansūr bin Yūnus bin Salāhu`lddīn, Hanblī, (1051 AH), Kashāf-ul-qinā an matniliqnā, Darulālamilkutub, Riyād, Special Edition, 1423AH, 2003 AC, P.1518

[9] : الخفیف، الحق والذمۃ وتاثیر الموت فیھما وبحوث أخری، ص:۱۰۹۔

Al-Khafīf, Ali, Al-Haqu w l-dhimmah w tathīrulmawt fīhimā buhūthun ukhrā, p.109

ومعنى ذلک أنها شی أو وصف إفترضه الشارع إفتراضا تقديرا فی الشخص ،به يصبح قابلا لأن يكون ملتزما او ملتزما له، ای مستحقا اومسئولا؛ وقابليته لذالک هي أن يصير صالحا لأن تكون له حقوق وعليه واجبات۔[10]

"مذکورہ بالا تعریف کا حاصل یہ ہے کہ الذمہ ایک ایسی شئ یا وصف ہے جس کو شارع فرضی طور پر شخص میں مقدر مان لیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس بات کا اہل ہو جاتا ہے کہ وہ ملتزم یا ملتزم لہ یعنی مستحق یا مسئول بن سکے، اس وصف کے ساتھ متصف ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ شخص اس بات کی صلاحیت رکھتا ہو کہ اس کیلئے حقوق اور اس کے ذمہ واجبات ثابت ہو سکیں۔"

اصولیین نے الذمہ کی اور بھی کئی تعریفیں لکھی ہیں، جن کے الفاظ مختلف ہیں لیکن مفہوم قریب قریب ہی ہے، جن میں سے کچھ شیخ علی الخفیف نے اپنی کتاب "الحق والذمہ" میں نقل کی ہیں۔ ان ساری تعریفات اور بحث کا خلاصہ شیخ قرافی اپنی کتاب الفروق میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

أنهامعنى شرعی مقدر فی المكلف قابل للإلزام وإلتزام ثم قال: وهذا المعنى جعله الشارع مسبباعن أشياء خاصة منها البلوغ ومنها الرشد فمن بلغ سفيها لاذمة له ومن حجر عليه فقد ذمته كالمفلس واذاتوافرت فی الشخص هذه الأ شياء أوالصفات قدر الشرع وجوده هذاالمعنى فيه فصار قابلا لأن يلزم بأرش الجنايات وأجر الإجارات وأثمان المبيعات ونحو ذلک من التصرفات، ولأن يقبل إلتزامه فاذا إلتزم شيا بإختياره لزمه وإذا فقدت صفة من هذه الصفات لم يقدر الشرع فيه هذا المعنى المقابل للإلزام وإلتزام -وهذاالمعنى المقدر هوالذی تقدر فيه الأجناس التی أسلم فيها مستقرة حتى يصح مقابلتها بالأعواض المقبوضة فی الحال وفيه تقدر اثمان المبيعات الموجلة وصدقات الأنكحة والديون فی الحوالات والحقوق فی الضمانات وغير ذلک- ولاجرم ان من لم يقدر فيه هذا المعنى لايصح فی حقه شی من هذه الأمور فلاينعقد فی حقه سلم ولا ثمن الی اجل ولاحوالة ولاحمالة ولا شی من ذلک هذا هو حقيقة الذمة وبسطها والعبارة الكاشفة عنها۔[11]

---

[10] :الزرقا، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، ۲/۱۹۴

A'lzarqā, Mustafā, Al-Fiqh-ul-Islāmī fī Thawbihiljadīd, p.194/2.

[11]:شہاب الدین احمد بن ادریس بن عبدالرحمن المالکی القرافی، (م۶۸۴ھ)، کتاب الفروق، (دارالنوادر، کویت، ۱۴۳۱ھ، ۲۰۱۰ء)، ۳/۲۲۶۔

"الذمہ ایک شرعی معنی ہے جس کو مکلف میں فرض کیا جاتا ہے جو کہ الزام والتزام کا اہل ہوتا ہے، اور یہ الذمہ ایسا وصف ہے جس کو شارع نے کچھ خاص باتوں کا مسبب مانا ہے، ان میں سے ایک بلوغ ہے اور دوسری رشد (عقلمندی) ہے، لہذا اگر کوئی شخص بغیر عقل کے ہی بالغ ہو جائے اسے الذمہ سے متصف نہیں مانا جاتا اور جس پر معاملات کی بجاآوری سے روک لگادی جائے اس کا ذمہ مفلس شخص کی طرح ہو جاتا ہے، چنانچہ یہ اشیاء وصفات جب کسی شخص میں مکمل طور پر پائی جائیں تو شریعت اس میں الذمہ والے وصف کو مان لیتی ہے جس کے نتیجے میں وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس پر جنایات کا جرمانہ، اجارات کی اجرت اور مبیعات کے ثمن وغیرہ جیسے تصرفات لازم ہو جائیں اور اس بات کا بھی اہل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اوپر لزوم کو قبول کر سکے، پھر جب وہ اپنے اختیار سے کوئی شئ اپنے اوپر لازم کرے تو وہ لازم ہو جائے گی۔ اور اگر ان مذکورہ بالا صفات میں سے کوئی صفت کسی شخص میں مفقود ہو جائے تو شریعت اس میں الزام والتزام کے وصف کو نہیں مانتی۔ اسی الذمہ کے وصف کے بدولت کسی بھی شخص کی طرف بیع سلم وغیرہ جس میں ثمن کی ادائیگی فوراہوتی ہے اور (مبیع ادھار) درست ہوتے ہیں اور نقد لین دین میں ثمن بھی اسی وصف کی بدولت طے ہوتے ہیں، اسی طرح نکاح کا مہر، دیون اور ضمانات بھی اسی وصف کے ذریعے طے ہوتے ہیں، اور یقیناجس شخص میں شریعت الذمہ کا وصف نہ مانے تو اس کے اس طرح کے معاملات منعقد ہی نہیں ہوتے، نہ ہی بیع سلم، نہ ثمنوں کا ادھار، نہ ہی حوالہ وحمالہ، ان میں سے کوئی تصرف بھی منعقد نہیں ہوتا، یہ الذمہ کی حقیقت وتفصیل ہے۔"

خلاصہ بحث:

شیخ علی الخفیف کے نزدیک اس ساری بحث اور مختلف تعریفات کے تجزیہ کے بعد یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اصولیین کے اس مکتبۂ فکر کے نزدیک جس کے مقتدا صدر الشریعہ سعد الدین مسعود تفتازانی ہیں، الذمہ انسان میں شارع کی طرف سے فرض کیا گیا ایک تقدیری وصف ہے جس کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے۔

الذمہ کے بارے میں دوسری رائے:

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ فخر الاسلام بزدوی اور ان کے متبع اصولیین کی رائے یہ ہے کہ الذمہ کوئی فرضی وصف نہیں بلکہ ایک حقیقی وجود اور عینِ شخص ہے، کیونکہ الذمہ ہی تمام شرعی احکام کا مدار ہے، لہذا احکام

Al-Qarāfī, Shahābu'lddīn Ahmad bin Idrīs bin Abdu'l Rahman Al-Malkī (684 AH), Kitābulfurūq, Dāru'lnwādir, Kuwayt, 1431 AH, 2010 AC, p.226/3.

شریعت کی بناء کسی مفروضے پر نہیں ہو سکتی بلکہ ایک حقیقی وجود پر ہو گی جو کہ شخص ہے۔ چنانچہ فخر الاسلام الذمہ تعریف یوں لکھتے ہیں؛

والذمة العهد وإنما يراد به نفس ورقبة لها ذمة وعهد[12]

"الذمہ سے مراد انسان اور رقبہ (ذات) ہے، جس کا ذمہ اور عہد ہوتا ہے۔"

اور عہد سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالی نے بنی آدم سے ان کی تخلیق سے پہلے لیا تھا جس کی طرف فرمانِ باری تعالی میں اشارہ کیا گیا ہے؛

وإذ أخذ ربك من بني آدم من ظهورهم ذريتهم وأشهدهم على أنفسهم ألست بربكم قالوا بلى شهدنا أن تقولوا يوم القيامة إنا كنا عن هذا غافلين[13]

"اور (اے رسول! لوگوں کو وہ وقت یاد دِلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے آدم کے بیٹوں کی پشت سے ان کی ساری اولاد کو نکالا تھا، اور اُن کو خود اپنے اوپر گواہ بنایا تھا، (اور پوچھا تھا کہ:) "کیا میں تمہارا رَبّ نہیں ہوں؟" سب نے جواب دیا تھا کہ: "کیوں نہیں؟ ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔" (اور یہ اقرار ہم نے اس لئے لیا تھا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ: "ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔"

انسان کی اسی ذمہ داری کو اللہ تعالی نے ایک دوسرے مقام پر اس طرح سے بیان فرمایا ہے؛

وكل إنسان ألزمناه طائره في عنقه ونخرج له يوم القيامة كتابا يلقاه منشورا[14]

"اور ہر شخص (کے عمل) کا انجام ہم نے اس کے اپنے گلے سے چمٹا دیا ہے، اور قیامت کے دن ہم (اس کا) اعمال نامہ ایک تحریر کی شکل میں نکال کر اس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔"

---

[12] :علاؤالدین عبدالعزیز بن احمد بن محمد (م۷۳۰ھ)، کشف الاسرار شرح اصول البزدوی، (دارالکتاب الاسلامی، بدون طبع وتاریخ)، ۴/۲۳۹۔

Alā'uddīn, Abdulazīz bin Ahmad bin Muhammad (730 AH) Kashf-ul-Asrār Sharah Usūl-ul-Bazdawi, Darulkitābilislāmī, p.239/4

[13] :اعراف:۱۷۲

A'rāf:172

[14] :اسراء:۱۳

Asrā:13

مندرجہ بالا گفتگو سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ فخر الاسلام بزدوی کے نزدیک الذمہ اور عہد سے مراد نفسِ انسان ہی ہے، اس کی تطبیق و توضیح شیخ علی الخفیف اس طرح سے بیان کرتے ہیں؛

وان تسمية النفس بذلک من باب إطلاق إسم الحال وهوالعهد على المحل وهو نفس الانسان؛ لان نفس الانسان محل لعهده وذمته وكان ذلک فی ابتدا الأمر مجازا ثم صاراحقيقة عرفية- وعلى ذلک فذمة الانسان نفسه وهی محل لجميع مالها وماعليها من حقوق وتكاليف مشروعة سواء أكانت مالية أم غير مالية[15].

"اس ساری بحث میں (فخر الاسلام بزدوی) کے نزدیک نفس شخص کو عہد یا ذمہ سے موسوم کرنا "اطلاق اسم الحال علی المحل" کے قبیل سے ہے، یہاں حال عہد ہے اور محل نفس انسان ہے، کیونکہ نفس انسان ہی اپنے عہد اور ذمہ کا محل ہوتا، ابتداءً تو یہ (انسان کیلئے عہد یا ذمہ کا استعمال) مجازاً تھا لیکن پھر یہ حقیقتِ عرفیہ بن گیا، اسی بناء پر انسان کا ذمہ اس کی ذات ہی ہے جو کہ اس کے تمام مالہا وماعلیہا، حقوق و تکالیفِ شرعیہ کا محل ہے، وہ تکالیفِ شرعیہ مالی ہوں یا غیر مالی۔"

الذمہ کو ایک حقیقی وجود ماننے کی بنیادی وجہ:

فخر الاسلام بزدوی اور ان کے متبعین، الذمہ کے بارے میں مفروضات سے اس لئے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ تمام شرعی احکامات کا دارومدار الذمہ پر ہے، لہذا ضروری ہے کہ جس چیز پر تکلیف شرعی اور تمام احکامات کا دارومدار ہو، وہ ایک وجودی چیز ہو نہ کہ ایک فرضی۔

والمقصود بهذا الرأى جعل الذمة أمرا ذا وجود مادي ، حتى لاتكون الأحكام الشرعية مبنية على شى افتراضي لاوجود له[16]

"اس کا مقصد یہ ہے کہ الذمہ کا ایک مادی وجود ہو، تاکہ احکام شرعیہ کا دارومدار کسی ایسی چیز پر نہ ہو جو فرضی ہو اور اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔"

---

[15] : الخفیف، الحق والذمۃ وتاثیر الموت فیھما وبحوث أخری، ص:۱۱۱

Al-Khafīf, Al-Haqu ѡ l-dhimmah ѡ tathīrulmawt fīhimā buhūthun ukhrā, p.111

[16]: الزرقا، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، ۳/۱۹۹۔

A'lzarqā, Mustafā, Al-Fiqh-ul-Islāmī fī Thawbihiljadīd, P. 199/3.

فخر الاسلام بزدوی کی رائے اور شخصیت اعتباری:

شخصیتِ اعتباری کی بحث میں فخر الاسلام بزدوی کی الذمہ کے بارے میں رائے بہت اہمیت اختیار کر جاتی ہے، باجودیکہ الذمہ کو ایک حقیقی وجود ماننا اپنے اندر ایک مضبوط رائے ہے، لیکن شخصیت اعتباری کے قائلین کیلئے اس رائے کو تسلیم کرنا خاصا مشکل ہے، کیونکہ شخصیتِ اعتباری جس کا اپنا وجود ہی فرضی اور غیر مرئی ہے، اس میں الذمہ کا حقیقی وجود ماننا محال ہے، لہذا فخر اسلام کی رائے کی روشنی میں شخصیتِ اعتباری کو تسلیم کرنا تقریبا ناممکن ہے۔ چنانچہ استاذ مصطفی الزرقا، فخر الاسلام بزدوی کی رائے کا نہ مان سکنے کی ایک بنیادی وجہ یہی لکھتے ہیں؛

فلولاقبول الذمة الافتراضية فى الشخص الطبيعي لما أمكن تكوين الشخص الحكمى بالنظر الحقوقي شرعا ولاقانونا لأن الشخصية الحكمية ذات الذمة المالية هي من أساسها افتراضية اعتبارية،وليست حقيقية ذات وجود خارجي-[17]

"اگر شخص حقیقی میں فرضی ذمہ کو نہ مانا گیا تو شرعی و قانونی حقوق کے اعتبار سے شخص حکمی کا وجود ہی ممکن نہیں، کیونکہ شخصیت حکمی بھی ذمۂ مالی رکھتی ہے، اور اس کی بنیاد ہی فرض اور اعتبار پر، جس کا کوئی حقیقی خارجی وجود نہیں ہوتا۔"

الذمہ کے بارے میں تیسری رائے:

الذمہ کے بارے میں مذکورہ بالا دو آراء کے علاوہ ایک تیسری غیر معروف رائے بھی ہے وہ یہ کہ فقہاء جہاں بھی الذمہ کو استعمال کرتے ہیں اس سے مراد اس کا لغوی معنی ہی ہوتا ہے، جو کہ "عہد" ہے، چنانچہ فقہاء کے قول: "ثبت فى ذمة فلان كذا" کا معنی ہوگا: انه ثبت بعهده أو فيما تعهد به أوالتزمه۔ اور اور واجبات شرعیہ کے ثبوت کیلئے اتنا کافی ہے کہ شارع نے ان کاموں کا مکلف بنایا ہے۔[18]

لیکن شیخ عبد العزیز البخاری نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں اس رائے کو رد کیا ہے کہ یہ قول اجماعِ فقہاء کے خلاف ہے، اس کے درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ الذمہ کا یہ معنی بچے اور مجنون پے صادق نہیں آتا، کیونکہ

---

[17]: الزرقا، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، ۳/۲۰۰۔

A'lzarqā, Mustafā, Al-Fiqh-ul-Islāmī fī Thawbihiljadīd, p.200/3.

[18]: ایضا، ص ۳/۱۹۹۔

ibid, p. 199/3

ان میں "عہد" نہیں پایا جاتا اگرچہ الذمہ ان میں ثابت ہے، کیونکہ ان پر حقوق ثابت ہوتے ہیں اور اگر فی الوقت ان کے پاس مال نہ بھی ہو جب وہ مال کے مالک بنیں گے تو ان سے وہ حق وصول کیا جائے۔

استاذ مصطفی الزرقا کے نزدیک الذمہ کی صحیح تعریف

الذمہ کے بارے میں متذکرہ بالا بحث و تحقیق کے بعد استاذ الزرقا لکھتے ہیں کہ اب ہمارے لئے ممکن ہے کہ ہم الذمہ کی یہ فقہی تعریف کر سکیں؛

ان الذمة هي محل اعتباري في الشخص تشغله الحقوق التي تتحقق عليه[19]

"الذمہ کسی شخص میں وہ محل اعتباری ہے جس کو اس پر ثابت ہونے والے حقوق مشغول کرتے ہیں۔"

استاذ الزرقا کے نزدیک اس تعریف کی روشنی میں ذمہ شخصیہ ہے، یعنی الذمہ نفسِ شخص کے ساتھ متصل ہوتا ہے نہ کہ اس کے مال و ثروت کے ساتھ، اور یہ تمام حقوق کو شامل ہے، چاہے وہ مالی ہوں یا غیر مالی اور جس نوعیت کے بھی ہوں، اسی طرح واجباتِ دینیہ بھی اس میں شامل ہیں مثلاً نماز روزہ اور حج وغیرہ۔

اہلیت وجوب، اہلیت ادا اور الذمہ میں فرق:

اصولیین کے ہاں اہلیت کی دو قسمیں ہیں؛ اہلیت وجوب اور اہلیت ادا مزید یہ کہ بعض اصولیین نے اہلیت وجوب اور الذمہ کو ایک ہی قرار دیا ہے جبکہ جمہور اصولیین کے نزدیک ان میں فرق ہے، لہذا اس ساری بحث کو سمیٹنے کیلئے اس فرق کی توضیح بھی ضروری ہے، چنانچہ:

- اہلیتِ وجوب کا مطلب یہ ہے کہ انسان میں یہ قابلیت ہونا کہ اُس کیلئے اور اُس پر حقوق ثابت ہو سکیں۔
- اور اہلیت ادا کا مطلب ہے کہ انسان میں یہ صلاحیت ہونا کہ وہ اعمال کی اس طرح بجا آوری کر سکے کہ اُس کے وہ اعمال شرعاً درست سمجھے جائیں۔
- جبکہ الذمہ، حقیقت میں انسان کے اندر اُس فرضی معنی ظرفیت پر دلالت کرتا ہے جو اس پر ثابت ہونے والے حقوق کا احاطہ کرے۔[20]

---

[19] ایضاً، ۳/۲۰۱۔

ibid, p. 201/3

[20] الزرقا، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، ۳/۱۹۵۔

A'lzarqā, Mustafā, Al-Fiqh-ul-Islāmī fī Thawbihiljadīd, p. 195/3

اس کی مزید توضیح یہ ہے کہ انسان میں اہلیت وجوب کے دو عنصر ہیں؛

پہلا عنصر:قابليته لثبوت الحقوق له، أی صلاحيته للالزام-

دوسرا عنصر:قابليته لثبوت الحقوق عليه، أی صلاحيته للالتزام-

أ. انسان کیلئے حقوق کا ثابت ہونا، یہ اہلیت وجوب کا پہلا عنصر ہے، یہ عنصر بچے کے ماں کے پیٹ میں آتے ہی ثابت ہو جاتا ہے، لیکن اس عنصر کے ساتھ الذمہ کا وجود نہیں ہوتا۔

ب. انسان پر حقوق کا ثابت ہونا، یہ دو باتوں پر موقوف ہے؛

1. انسان میں قابلیت تحمل یعنی اُس پر حقوق کا ثابت ہونا، یہی اہلیت وجوب کا دوسرا عنصر ہے، جس کا ثبوت انسان کی ولادت کے ساتھ ہوتا ہے۔
2. وہ فرضی محل جس میں انسان پر ثابت ہونے والے حقوق سماتے ہیں، یعنی شخص انسان سے الگ ایک ظرفِ اعتباری جس میں حقوق ثابت ہونے کے وقت سماتے ہیں اور جب وہ حقوق ساقط ہو جائیں تو وہ ظرف خالی ہو جاتا ہے۔[21]
3. وهذا الأمر الثانی، أی المحل هو المعنى الحقيقي لكلمة ''الذمة'' فقهيا[22]

اب ان مذکور امران کے بارے میں استاذ الزرقا کا محاکمہ ملاحظہ ہو؛

وهذان الأمران اللذان يتوقف عليهما تصور الإلتزام هما متلازمان فی الوجود متغايران فی المفهوم، فانه يلزم من كون الشخص أهلا لتحمل الحقوق أن يكون فی شخصه مستقر ومستودع لها، بالعكس-فمتى اعتبرت للشخص أهلية التحمل شرعا اعتبرت له ذمة، ومتى اعتبرت له ذمة اعتبرت له أهلية التحمل، ولكن ليست تلك الأهلية هي الذمة نفسها، بل بينهما من الفرق مابين معنى القابلية ومعنى المحل-[23]

---

[21]: لزرقا، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، ۳/۱۹۵۔

A'lzarqā, Mustafā, Al-Fiqh-ul-Islāmī fī Thawbihiljadīd, p. 195/3

[22]: ایضا

ibid

[23]: ایضاً، ۳/۱۹۶۔

ibid, p. 196/3

"یہ دونوں امر جن پر التزام (ذمہ میں حقوق کا لازم ہونا) کا تصور موقوف ہے، اپنے آپ میں وجود کے اعتبار سے لازم وملزوم ہیں اور مفہوم کے اعتبار سے متغایر ہیں، اس لئے کہ کسی شخص کا تحمّلِ حقوق کا اہل ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس شخص میں ان حقوق کا ٹھکانہ و قرار بھی ہو، اور اسی طرح اس کا عکس۔"

جب شرعاً کسی شخص میں اہلیت تحمل معتبر ہو جاتی ہے، تو شرعاً اس کیلئے الذمہ بھی معتبر ہو جاتا ہے اور جب کسی کا الذمہ معتبر ہو تو اس میں اہلیت تحمل بھی معتبر ہو جاتی ہے، لیکن یہ اہلیت تحمل خود ہی الذمہ نہیں ہے بلکہ ان میں وہی فرق ہے جو قابلیت اور محل کے معنی میں فرق ہے۔ فقہاء کی عبارات بھی ان دونوں اصطلاحات میں تغایر پر دلالت کرتی ہیں، استاذ مصطفی الزرقا لکھتے ہیں؛

ویدل علی هذا التغایر مع التلازم بین مفهومی الذمة وأهلیة التحمل ان الفقهاء فی عباراتهم انما یصورون الحق والذمة فی صورة الشاغل والمشغول،فیقولون: ''ان ذمته مشغولة بکذا'' ویقولون: ''ان الدین فی الذمة وصف شاغل لها''۔

فهذا یفید أن الذمة غیر أهلیة الوجوب التي هي مجرد قابلیة۔ فلایصح أن یقال مثلا '' أن أهلیة أو قابلیته مشغولة بالدین''۔

فالذمة فی اصطلاحهم انما تشعر بمعنی الظرفیة الاهلیة وان کانا متلازمین وجودا[24]

"الذمہ اور اہلیتِ تحمّل (اہلیت وجوب) کے مفہوم میں تلازم کے باوجود ان کے درمیان تغایر پر فقہاء کی عبارات بھی دلالت کرتی ہیں، فقہاء اپنی عبارت میں حق اور الذمہ کو شاغل اور مشغول تصور کرتے ہیں، کہ ان کی تعبیر اس طرح ہوتی ہے:" ان ذمته مشغولة بکذا "(اس کا ذمہ فلاں حق کے ساتھ مشغول ہے) اور وہ کہتے ہیں: ان الدین فی الذمة" (دین اس کے ذمہ میں ہے) بصورتِ شاغل۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الذمہ، اہلیت وجوب (جو کہ محض ایک قابلیت) نہیں ہے، اس لئے اس طرح کہنا درست نہیں ہے: أن أهلیة أو قابلیته مشغولة بالدین "(اس کا ذمہ یا اہلیت، دین کا ساتھ مشغول ہیں)۔ چنانچہ فقہاء کی اصطلاح میں الذمہ ظرفیت کا معنی دیتا ہے نہ کہ اہلیت کا، اگرچہ دونوں وجود میں متلازم ہیں۔

---

[24]: الزرقا، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، ۳/۱۹۶۔

A'lzarqā, Mustafā, Al-Fiqh-ul-Islāmī fī Thawbihiljadīd, 196/3

الذمہ کی خصوصیات:

فقہاء اسلام نے الذمہ کے جو احکام ومسائل مرتب کئے ہیں ان کی روشنی میں الذمہ کی حسب ذیل خصوصیات ہیں؛

ا۔الذمہ صرف ایک مستقل شخص کا ہی خاصہ ہے:

اب تک کی ساری بحث اسی حقیقت کے گرد گھوم رہی ہے کہ الذمہ صرف اور صرف ایک انسان کا ہی خاصہ ہے، انسان کے علاوہ حیوانات وجمادات میں سے کوئی بھی الذمہ کے وصف کے ساتھ متصف نہیں، کیونکہ الذمہ کی بنیاد وہ عہد ہے جو اللہ تعالی نے صرف انسان سے ہی لیا ہے اور انسان کے اندر ہی وہ خصوصیات واوصاف ہیں جو کہ الذمہ کا سبب ہیں۔ چنانچہ الذمہ کے اس خاصہ سے حسب ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں؛

1. حیوانات وبہائم کا ذمہ نہیں ہے، جیسا کہ ان میں اہلیت بھی نہیں ہے، اسی طرح ان پر کوئی حقوق ثابت ہوتے ہیں نہ ان کیلئے حقوق ثابت ہوتے ہیں، اگر کوئی شخص کسی حیوان وغیرہ کیلئے کوئی وصیت یا وقف کرے تو یہ وقف درست نہیں، کیونکہ وصیت یا وقف سے مراد ان حیوانات کو کسی چیز کا مالک بنانا ہے، جبکہ یہ مالک بننے کی اہلیت نہیں رکھتے، ہاں یہاں ایک صورت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جانور پر کوئی چیز خرچ کرنے کی وصیت کرتا ہے یعنی کسی چارہ وغیرہ کے بارے میں کہتا ہے کہ اس کو فلاں جانور کھائے تو عند الاحناف یہ جائز ہے کیونکہ حقیقت میں یہ حیوان کیلئے وصیت نہیں بلکہ اس کے مالک کو وصیت، کیونکہ جانور کے چارہ وغیرہ کا انتظام مالک کے ہی ذمہ ہے، لہذا اگر مالک قبول کرے گا تو یہ وصیت مکمل تصور ہوگی اور اس کے رد کرنے سے یہ وصیت رد ہو جائے گی اور مالک کیلئے یہ بھی جائز ہے کہ اس خاص جانور کے علاوہ کسی اور جانور کو وہ چارہ کھلا دے۔ البتہ شوافع کے نزدیک اسی خاص جانور کو یہ چارہ کھلانا لازمی ہوگا، وہ موصی کے ارادے کا احترام کرتے ہوئے نہ کہ اس خاص جانور کے استحقاق کی وجہ سے۔[25]
2. جنین یعنی ماں کے پیٹ میں بچے کا بھی ذمہ نہیں ہے، کیونکہ اس کی شخصیت مستقل نہیں بلکہ وہ ابھی اپنی ماں کا جز اور اس کے تابع ہے، جب تک اس کی ولادت نہیں ہو جاتی۔ جبکہ الذمہ کیلئے شخص کا مستقل بالذات ہونا بھی ضروری۔ جنین کے ذمہ حقوق ثابت نہیں ہونگے کیونکہ گذشتہ بحث میں ہم جان چکے ہیں کہ الذمہ کیلئے اہلیت

---

[25]: الزرقاء، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، ۳/۲۰۲۔

A'lzarqā, Mustafā, Al-Fiqh-ul-Islāmī fī Thawbihiljadīd, p. 202/3

وجوب کے دو عناصر میں سے دوسرا یعنی قابلیت التزام لازم ہے، جبکہ جنین میں صرف پہلا عنصر یعنی قابلیت الزام (اس کیلئے حقوق کا ثبوت) پایا جاتا ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اس کی زندہ ولادت ہو جائے۔ جنین کیلئے قابلیت الزام بھی قاصر انداز میں ہی ثابت ہوتی ہے، لہذا فقہاء کے نزدیک اس کیلئے صرف چار قسم کے حقوق ثابت ہوتے ہیں۔ (۱) نسب، (۲) وراثت، (۳) وصیت، (۴) استحقاقِ وقف۔ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ حمل کو ہبہ درست نہیں اور یہ بھی کہ اگر کسی نے حمل کیلئے کوئی چیز خریدی تو جنین اس کا مالک نہیں بنے گا اور نہ ہی اس کے مال میں سے اِس چیز کے ثمن لازم ہونگے۔[26]

۲۔ کوئی بھی مستقل شخص بلا ذمہ نہیں ہوتا ہے:

الذمہ شخصیت کے لوازمات میں سے ہے، کیونکہ ہم جان چکے ہیں کہ الذمہ، اہلیت وجوب کے دوسرے عنصر (قابلیت التزام) کو مستلزم ہے، اور یہ عنصر انسان کی ولادت کے ساتھ ہی ثابت ہو جاتا۔

اور اہلیت وجوب کا مناط، انسانیت ہے، لہذا جونہی ایک انسان وجود میں آتا ہے اس میں اہلیت وجوب ثابت ہو جاتی ہے، بخلاف اہلیت ادا کے، کہ اس کا مناط عقل ہے جو کہ انسان میں سنِ تمیز میں پہنچ کر ہی معتبر ہوتی ہے۔ پس کوئی بھی مستقل شخص بلا ذمہ نہیں ہو سکتا ہے۔[27]

۳۔ الذمہ کی وسعت کی کوئی حد نہیں:

انسان کے ذمہ کی وسعت لا محدود ہے، کیونکہ الذمہ ایک ظرفِ اعتباری ہے اور جتنے حقوق بھی متصور ہو سکتے ہیں وہ سب ہی اس میں سما جائیں گے۔[28]

۴۔ شخص واحد کا صرف ایک ہی ذمہ ہو گا:

ایک انسان کا ایک ہی الذمہ ہوتا ہے، اس کو ایک سے زائد ذمہ کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اس کے الذمہ میں تمام حقوق و دیون کی وسعت ہے۔[29]

---

[26] : الزرقا، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، ۳/ ۲۰۲۔

A'lzarqā, Mustafā, Al-Fiqh-ul-Islāmī fī Thawbihiljadīd, p. 202/3

[27] : ایضا، ۳/ ۲۰۳۔

ibid, p. 203/3

[28] : ایضاً۔

ibid

۵۔الذمہ میں اشتراک نہیں ہوتا:

الذمہ میں اشتراک نہیں ہوتا،لہذا ایک ذمہ میں ایک سے زائد اشخاص نہیں ہونگے،کیونکہ اگر اشخاص زیادہ ہوں تو ہر ایک کا خاصہ ہو گا کہ اس کا ایک مستقل الذمہ ہو،اوراگر ہم ایک ہی الذمہ میں سب کا اشتراک تسلیم کرلیں تو ہر ایک کیلئے علیحدہ الذمہ نہیں رہے گا جو کہ شخصیت اور الذمہ کے آپس میں تلازم میں کی وجہ سے محال ہے۔[30]

۶۔الذمہ میں تمام حقوق کا ضمان بلاترجیح ہوتا ہے:

الذمہ میں تمام حقوق بلاترجیح ثابت ہوتے ہیں،اس لئے کہ الذمہ کی وسعت کی کوئی حد نہیں،اوراس میں جو دین بھی ثابت ہو جاتا ہے اس کی حیثیت برابر ہوتی، حتی کہ اگر کوئی حق یا دین پہلے ثابت ہوا ہے تو یہ پہلے ثابت ہونا اس کی ترجیح کا سبب نہیں ہے اور جو حقوق کسی انسان کے ذمہ میں ثابت ہو جائیں پھر ان کی ادائیگی کیلئے مال کی کوئی نوع یا کوئی معین جز کی قید نہیں ہوتی،بلکہ دیون جب الذمہ میں کسی سببِ صحیح کے ساتھ ثابت ہو جائیں تو وہ اپنے احترام کے اعتبار سے مساوی ہوتے ہیں۔[31]

الذمہ کا انہدام:

انسان کی ولادت ہوتی ہے تو اس کا الذمہ ثابت ہو جاتا ہے اوراس کی زندگی کے ساتھ اس کا الذمہ چلتا رہتا ،لیکن اب اگلا سوال یہ ہے کہ انسان کے الذمہ کی انتہا کب ہوتی ہے؟کیا انسان کی موت کی ساتھ ہی اس الذمہ بھی ختم ہو جاتا ہے یا کہ موت کے بعد بھی الذمہ باقی رہتا ہے،اس بارے فقہاء کی مشہور آراء تین ہیں؛

پہلی رائے:

بعض حنابلہ کی یہ رائے ہے کہ موت کے ساتھ ہی الذمہ منہدم ہو جاتا ہے،کیونکہ الذمہ ایک زندہ شخص کا خاصہ ہے،اورالذمہ کا ثمرہ یہ ہے کہ صاحبِ ذمہ سے اپنے ذمہ کو دین سے فارغ کرنے کا مطالبہ کرنا درست ہو،جبکہ

---

[29] :الزرقا،الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید،۳/۲۰۳۔

A'lzarqā, Mustafā, Al-Fiqh-ul-Islāmī fī Thawbihiljadīd, p. 202/3

[30] :ایضاً۔

ibid

[31] :ایضا،۳/۲۰۴۔

ibid, p. 204/3

موت کے ساتھ ہی ایک شخص کی یہ صلاحیت ختم ہو جاتی ہے کہ اس سے اس طرح کا مطالبہ کیا جاسکے، لہذا موت کے ساتھ الذمہ منہدم ہو جاتا ہے۔

اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص مقروض مال چھوڑے بغیر فوت ہو جائے تو اس کا دین ساقط ہو جاتا ہے اور اگر مال چھوڑا ہو تو اس کا قرض اس مال سے متعلق ہو جائے گا۔[32]

دوسری رائے:

شوافع کی رائے یہ ہے کہ موت کے بعد بھی الذمہ صحیح طور پر باقی رہتا ہے جب تک اس کے دیون ادا نہ ہو جائیں اور ترکہ وغیرہ تقسیم نہ ہو جائے پھر الذمہ منہدم ہوتا ہے۔

اس لئے کہ موت کے ساتھ انسان سے دنیا میں مطالبے صلاحیت ختم ہو جاتی ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے ذمہ جو دیون ہیں ان کے اعتبار سے بھی اس کا الذمہ باقی نہ رہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے میت پر کسی سبب سابق کی وجہ سے کوئی نیا دین لازم ہو جائے، جیسا کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز فروخت کرنے کے بعد فوت ہو جائے اور اس کی موت کے بعد وہ چیز کسی عیب کی وجہ سے رد کر دی جائے تو متوفی بائع کا الذمہ اس ثمن کا ساتھ مشغول ہو جائے گا جس کا رد کرنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر اس نے اپنی زندگی میں کسی قابل ضمان فعل کا ارتکاب کیا ہو، جیسا کہ عام راستے میں کوئی گڑھا کھود دیا اور اس کی موت کے بعد کوئی اس گڑھے میں گر گیا تو کھودنے والے کا ذمہ اس جانور کی قیمت کے ساتھ مشغول ہو جائے جو کہ اس کے ترکہ سے وصول کی جائے گی۔[33]

تیسری رائے:

الذمہ کے منہدم ہونے کے بارے میں تیسری رائے احناف کی ہے وہ یہ کہ موت کے ساتھ الذمہ منہدم نہیں ہوتا بلکہ کمزور ہو جاتا ہے، جیسا کہ اہلیت الوجوب بھی کمزور ہو جاتی ہے، لہذا اہلیت اور الذمہ موت پر اس طرح

---

[32] : ابن رجب عبد الرحمن بن احمد (م ۷۹۵ھ، ۱۳۹۳ء)، القواعد، (دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، بدون سن طباعہ)، ص: ۳۹۹۔
Ibn-e-Rajab, Abdulrahman bin Ahmad (795 AH, 1393 AC), Al-qaʷaʷa'id, Darulkutub-ul-Ilmiah, Bayrūt, lubnan, p.399.

[33] : شمس الدین محمد بن احمد بن حمزہ الرملی، (۱۰۰۴ ھ، ۱۵۹۶ ء)، حاشیۃ الرملی علی اسنی المطالب، (دار الکتاب الاسلامی، بدون سن طباعہ)، ۳/۲۳۵۔

A'lramlī, Muhammad bin Ahmad bin Hamza, Shamsu'lddīn (1004 AH, 1596 AC), Hashiyah A'lramli alā Asnālmatālib, Dārulkitābilislāmi, p.235/2.

سے نہیں رہتے جیسے وہ اس کی زندگی میں تھے،لہذا اہلیت اور الذمہ میں اتنی صلاحیت باقی رہتی ہے جتنی سے وہ حقوق واحکام ثابت ہو جائیں جن کے اسباب اس کی زندگی میں پائے گئے ہیں،الذمہ پر طاری ہونے والے اس ضعف کی ابتدا اس کی مرض الوفات سے ہی فرض کی جائے گی۔

استاذ الزرقا لکھتے ہیں کہ اصل تو یہی ہے کہ موت کے ساتھ الذمہ منہدم ہو جائے اور اہلیت باطل ہو جائے، لیکن صرف استثنائی صورتوں میں انہیں محدود دائرے میں ہی باقی رکھا جاتا ہے کہ اسباب سابقہ کے تصفیہ کی ضرورت کے بقدر نہ کہ احکام جدیدہ کو ثابت کرنے کیلئے،اذ الضرورة تقدر بقدرها فلايتوسع فيها-[34]

اس لئے کہ کچھ احکام ومسائل کی تطبیق کیلئے میت کا الذمہ باقی رکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے،جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مواقع میں انسان کی موت کے بعد اس کی ملک میں کوئی چیز داخل ہوتی ہے جو کہ اس کی زندگی میں اس کی ملکیت نہیں تھی،اوراسی طرح وہ بعض ایسے امور میں ضامن ومسئول بنتا ہے جن کا وہ اپنی زندگی میں نہ تھا،جیسا کہ ایک شخص شکار کیلئے جال لگاتا ہے اور فوت ہو جاتا ہے،اس کی موت کے بعد کوئی شکار اس میں پھنس جاتا ہے تو یہ شکار اس کی ملک داخل ہو کر اس کے جملہ میں ترکہ شمار ہو گا اوراسی طرح اس کا عکس یعنی اس نے اگر کوئی گڑھا کھودا اور فوت ہو گیا، پھر اس کی وفات کے بعد کوئی جانور اس میں گر گیا تو اس فوت ہونے والے شخص پر اس جانور کا ضمان لازم ہو جائے گا۔اب اگر دیکھا جائے کہ جال لگانے والے مسئلے میں اس شخص کو موت کے بعد ملکیت حاصل ہوئی ہے،اور گڑھا کھودنے والے مسئلے میں اس شخص پر موت کے بعد ضمان ثابت ہوا ہے،لہذا لازم ہے کہ اس شخص میں موت کے بعد بھی اس قدر اہلیت الزام والتزام مانی جائے کہ ان مسائل کی تطبیق ہو سکے۔اسی طرح بائع کی موت کے بعد مشتری کی طرف سے خیار عیب کی وجہ سے بیع فسخ کرنے والے مسئلہ میں بھی ایسی ہی صورتحال ہے کہ اس میں بھی میت کیلئے بقدرِ ضرورت الزام والتزام ماننا پڑتا ہے کیونکہ مبیع کی ملکیت میت کی طرف لوٹتی ہے اور اس میت کے ذمہ اس کے ثمن لازم ہوتے ہیں۔

ان سب معاملات میں ہم الزام والتزام کو براہِ راست ورثا کی طرف منتقل نہیں کر سکتے کیونکہ اس ضمان کے بارے ایسا ممکن نہیں ہے جس کا سبب موت سے پہلے ہو،جیسا کہ گڑھا کھودنے والے مسئلہ میں کیونکہ؛

---

[34] :الزرقا،الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید،ص:۳/۲۰۷۔

A'lzarqā, Al-Fiqh-ul-Islāmī fī Thawbihiljadīd, p.207/3.

لأن الوثة انما يخلفون الميت فى استحقاق ما هو له لافى التزام بما عليه ، فهم غير مسئولين بذممهم عن اعمال المورث- فلذا يتعلق حق الغريم بالتركة-وأن التعلق بها بسبب الضمان لايكون الا عن طريق الذمة، لان مال الانسان غير مسئول مباشرة عن فعل ضار، فوجب تقدير بقاء لذمة الميت-[35]

میت کے الذمہ کا بقا احناف کے نزدیک صرف استثنائی صورتوں ضرور تا محدود دائرے میں ہی ثابت ہوتا ہے اور جب یہ ضرورت پوری ہو جائے یا جہاں ضرورت نہ ہو تو موت کے ساتھ ہی الذمہ منہدم تصور کیا جاتا ہے۔

لاذمة للوقف کی بحث:

الذمہ کی بحث کو مکمل کرنے سے پہلے یہاں اسی سے متعلقہ ایک اور بحث کو بالاختصار پیش کرنا انتہائی ضروری ہے، جس کا ہمارے موضوع کے دلائل ومباحث سے گہرا تعلق ہے، وہ ہے" لاذمۃ للوقف "کا اصول جس کو احناف میں علامہ شامی نے بیان کیا ہے، یعنی وقف کا کوئی ذمہ نہیں ہوتا، اوراس بحث کو قدرے تفصیلا شیخ علی الخفیف نے "الحق والذمۃ" میں بیان کیا ہے جس کو اختصاراً پیش کیا جاتا ہے؛

یہ بات ہم جان چکے ہیں کہ اللہ تعالی نے انسان میں جو اوصاف وخصوصیات رکھی ہیں ان کو سامنے رکھتے ہیں یہ بات طے ہے کہ الذمہ صرف اور صرف انسان ہی کا خاصہ ہے اس لئے تمام فقہاء کی یہ رائے ہے کہ انسان کے علاوہ جتنے بھی چوپائے یا جانور یا دوسری اشیاء ہیں ان میں الذمہ کا وصف نہیں پایا جاتا ہے کیونکہ الذمہ کیلئے جو اوصاف وخصوصیات درکار ہیں وہ یہاں معدوم ہیں اسی لئے نہ ہی ان پر کوئی واجبات ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ مکلف ہوتے ہیں، چنانچہ اسی بناء پر چوپائے وغیرہ مالک بھی نہیں بن سکتے ہیں، جب مالک نہیں بن سکتے تو انہیں کوئی چیز ہبہ بھی نہیں کی جاسکتی نہ ہی ان کیلئے وصیت کی جاسکتی ہے اور نہ ہی ان کیلئے کوئی چیز وقف کی جاسکتی ہے، کیونکہ ان تمام میں تملیک کا پایا جانا ضروری ہے جو یہاں محال ہے، اوراگر کوئی شخص وصیت کرتا ہے کہ میری زمین کا یہ چارہ فلاں جانور کو کھلایا جائے گا تو عند الاحناف قائل کی اس بات کو درست رکھنے کیلئے یہ کہا جائے گا یہ وصیت اس چوپائے کیلئے نہیں ہے بلکہ اس کے مالک کیلئے ہے کیونکہ جانور کا چارہ مالک کے ذمہ ہی ہوتا ہے اوراسی کے قبول کرنے سے یہ وصیت تام ہوگی اوراس کے رد کرنے سے یہ وصیت رد ہو جائے گی اور مالک کو یہ اختیار ہوگا وہ یہ چارہ اس جانور کو کھلائے یا اس کے علاوہ کہیں اور استعمال کرے۔ جبکہ شوافع کا موقف ہے کہ موصی کے قول کا احترام کرتے ہوئے لازم ہوگا کہ یہ چارہ

---

[35]: الزرقا، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، ۳/۲۰۸۔

A'lzarqā, Al-Fiqh-ul-Islāmī fī Thawbihiljadīd, p.208/3

اسی جانور کو کھلایا جائے لیکن اس کے ساتھ انہوں نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ اگر کوئی چوپائے کیلئے وصیت کرتا ہے اور اس کی مراد چوپائے کو ہی مالک بنانا ہو یا وہ تملیک کو مطلق رکھتے ہوئے چوپائے کیلئے وصیت کرتا ہے تو یہ وصیت باطل ہے کیونکہ چوپایہ مالک نہیں بن سکتا[36]۔ امام احمدؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ میت اور جانور کیلئے وصیت درست نہیں ہے جب موصی تملیک کا ارادہ کرے، کیونکہ یہ مالک نہیں بن سکتے ہیں۔[37]

اس تمہیدی بحث کے بعد شیخ علی الخفیف لکھتے ہیں؛

أما غير الدواب مما لاحيات له كالمسجد والمدرسة والمستشفى والوقف وبيت المال ومالى ذلک من المنشآت والجهات الخيرية فالمعروف أن الحنفية يذهبون الى ان ذلک كله لاذمة له فلايكون أهلا لأن يملک ولا لأن يكون له حقوق وعليه واجبات لانه لايتمتع بتلک الخصوصية التى من أجلها كان للانسان ذمة وذلک مايظهر مما صرحوا به في الوقف فقالوا: ان الوقف لاذمة له-وذلک يشمل المسجد والمدرسة والمستشفى اذا كان كل منهما موقوفا- ومثل الوقف بيت المال ومافى حكمه-[38]

"چوپایوں کے علاوہ جن چیزوں میں نہیں ہوتی جیسے مسجد ، مدرسہ، ہسپتال، وقف اور بیت المال اور دیگر رفاہی ادارے، ان کے بارے میں احناف کا معروف موقف یہ ہے کہ ان میں سے کسی بھی چیز میں الذمہ نہیں ہے، لہذا یہ چیزیں نہ مالک بننے کی اہل ہیں اور نہ ہی اس بات کی کہ ان کیلئے حقوق یا ان پر کوئی واجبات ہوں، کیونکہ یہ تمام اشیاء ان

---

[36]: عبدالکریم بن محمد بن عبدالکریم قزوینی، (م ۶۲۳ھ)، العزیز شرح الوجیز، المعروف بالشرح الکبیر، (دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۷ء)، ۷/ ۱۸۔

Qazwīnī, Abdulkarīm bin Muhammad bin Abdulkareem (623 AH) Al-Azīz Sharh-ul-wajīz, Al-ma'rūf bi'lsharhilkabīr, Darulkutubulilmiyah, Bayrūt, Lubnan 1st edition, 1417 AH, 1997 AC, p.18/7.

ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد بن الفراء بغوی، محی السنہ (م ۵۱۶ھ)، التھذیب فی فقہ الامام الشافعی، (دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۷ء)، ۵/ ۸۲۔

Baghwī, Abu Muhammad Hussayn bin Mas'ūd bin Muhammad bin Al-farra', Muhaiyyussunnah(516 AH), A'ltahzīb fīfiqhilimam A'lshaf'ī, *Darulkutubulilmiyah, Bayrūt, Lubnan 1st edition, 1417 AH, 1997 AC, p.82/5.*

[37]: ابن قدامہ ابو محمد عبداللہ بن احمد (م ۶۲۰ھ)، المغنی، (دارعالم الکتاب، ریاض، طبع ثالث، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۷ء)، ۸/ ۴۱۳۔

Ibnu Qudāmah, Abū Muhammad Abdullāh bin Ahmad, (620 AH), Al-Mughnī, Daru'ālamilkitab, Riyād, 3rd edition, 1417 AH, 1997, p.413/8.

[38]: الخفیف، الحق والذمۃ وتاثیر الموت فیھما وبحوث أخری، ص: ۱۱۹

Al-Khafīf, Al-Haqu wl-dhimmah wtathīrulmawt fihimā buhūthun ukhrā, p.119.

خصوصیات کی حامل نہیں ہیں جن کی وجہ سے ایک انسان کیلئے الذمہ ثابت ہوتا ہے، اوراحناف کا یہ موقف اس سے بھی واضح ہوتا ہے جو انہوں نے وقف کے بارے میں صراحت کی ہے کہ "وقف کا کوئی ذمہ نہیں ہوتا" اور یہ اصول مسجد، مدرسہ اور ہسپتال کو بھی شامل ہے کیونکہ یہ بھی وقف ہیں، اور بیت المال اور جو چیزیں بیت المال کے حکم میں ہیں وہ بھی وقف ہی ہیں۔"

شیخ علی الخفیف اس ذمہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس الذمہ سے کوئی شرعی الذمہ تو مراد ہی نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان اشیاء کا احکام شریعت کا مکلف و مخاطب ہونا تو متصور ہی نہیں بلکہ یہاں الذمۂ مالیہ مراد ہے یعنی ان اشیاء میں صرف الذمہ مالیہ کا احتمال تھا اس کی بھی نفی کر دی گئی ہے کہ وہ الذمہ میں ان اشیاء میں ثابت نہیں ہو سکتا۔

ولایخفی أن المراد بالذمة هنا ذمة مالية اذ لاوجه لأن تكون هذه الجهات محلا لحقوق أو واجبات دينية او خلقية لأن مرجع ذلک التمییز والتکلیف وذلک غیر متصور فیها۔[39]

شیخ علی الخفیف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اسی بناء پر احناف نے کہا ہے کہ مساجد و ہسپتال وغیر کو کوئی چیز ہبہ کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ہبہ میں تملیک ضروری ہے اور یہ چیزیں مالک نہیں بن سکتیں اور اسی طرح یہ ادارے مشتری اور بائع بھی نہیں بن سکتے۔[40]

علامہ شامیؒ نے اس اصول کو اس پس منظر میں بیان کیا ہے کہ اگر کوئی وقف کی دیوار گر جائے اور اس سے کسی کا جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو اس کا ضمان واقف پر ہو گا، متولی یا وقف کے مال سے یہ ضمان ادا نہیں کیا جائے گا کیونکہ وقف کا الذمہ نہیں ہوتا۔[41]

---

[39] : الخفیف، الحق والذمۃ وتاثیر الموت فیھما وبحوث أخری، ص:۱۱۹

Al-Khafīf, Al-Haqu ww l-dhimmah ww tathīrulmawt fīhimā buhūthun ukhrā, p.119.

[40] :ایضاً

ibid

[41] : محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز ابن عابدین شامی،(م۱۲۵۲ھ)،ردالمحتار علی الدرالمختار،(دارالفکر، بیروت، طبع ثانی ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۲ء)،۶/۶۰۲۔

Shāmī, Muhammad Amīn bin Umar bin Abdul Azīz, Ibnu 'ābidīn (1252 AH), Raddulmuhtār Ala'ddurrumukhtār, Dārulfikr, Bayrūt, 2nd editon, 1412 AH, 1992 AC. p. 602/6.

نتائجِ بحث:

1. الذمہ ہی انسان میں وہ وصف ہے جس کی وجہ سے وہ دنیوی واخروی معاملات میں مطلوب ومسئول بنتا ہے۔
2. الذمہ کی ماہیت کے بارے میں دوبنیادی آراء ہیں، ایک یہ کہ الذمہ ایک فرضی ظرف ہے، جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ الذمہ ایک حقیقی وجود ہے جس سے مرادِ نفسِ انسان ہے۔
3. ثانی الذکر رائے فرضی انسان (شخصیت اعتباری) کی بالکلیہ نفی کرتی ہے۔
4. بعض فقہاء نے اہلیت وجوب اورالذمہ کو مترادف قرار دیاہے، جبکہ جمہور فقہاء کے نزدیک ان میں فرق ہے۔
5. مذکورہ بالا بحث سے یہ بات مسلم ہوجاتی ہے کہ فقہاء کے نزدیک "الذمہ" صرف اور صرف ایک انسان ہی کا خاصہ ہے، انسان کے علاوہ موجودات میں سے کسی شئ کیلئے بھی یہ وصف ثابت نہیں ہوتا۔
6. المطلق اذا یطلق یراد به الفرد الکامل کے تحت جب لفظ انسان بولا جاتاہے تواس سے یقیناایک حقیقی انسان ہی مراد ہوسکتاہے۔
7. شخصیت اعتباری کے قائلین فقہاء، اس بحث میں لفظِ انسان کے تحت صراحت کرکے دونوں معنی (حقیقی اوراعتباری انسان) کو شامل کرتے ہیں۔
8. فقہاء کے نزدیک الذمہ، شخصیت کے لوازمات میں سے ہے، لہذا کوئی بھی انسان الذمہ کے وصف کے بغیر نہیں ہوگا۔
9. اہل قانون کے نزدیک الذمہ شخصیت کے لوازمات میں سے نہیں ہے، لہذاان کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایک حقیقی انسان ہولیکن اس میں الذمہ نہ ہو۔

علی حیدر خواجہ امین آفندی، (م۱۳۵۳ھ)، دررالحکام فی شرح مجلۃ الأحکام، (دارالجیل، طبع اول، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱ء)، ۲/ ۶۲۹۔

Āfandī, Alī Haydar, Khawajah Amīn (1353 AH), Durarulhulukkām fi Shari Mujallatilahkām, Dāruljayl, 1st edition, 1411 AH, 1991 AC, p.629/2.

10. الذمہ میں اشتراک نہیں ہوتا، لہذا ایک ذمہ میں ایک سے زائد اشخاص نہیں ہونگے۔ الذمہ کی یہ خاصیت بھی شخصیتِ اعتباری کی ماہیت کے خلاف جاتی ہے، کیونکہ شخصیت اعتباری میں مجموعہ اشخاص یا مجموعہ اموال کا ایک ہی الذمہ بن جاتا ہے۔

11. "لاذمۃ للوقف" کی مذکورہ بالا بحث بھی شخصیتِ اعتباری کے جواز وعدم جواز کیلئے بہت ہی بنیادی بحث ہے کیونکہ شخصیتِ اعتباری کے قائلین کے ہاں، اس کے نظائر میں سے ایک بہت ہی بنیادی نظیر وقف ہے، لیکن مذکورہ بالا بحث وقف کیلئے الذمہ کے وصف کی بالکلیہ نفی کر رہی ہے۔